Safeeneh
A Research Journal of Persian
Language, Literature and Culture
No 12, 2014 pp 211 - 220

سفینه
مجلهٔ تحقیقی در زمینهٔ زبان ، ادبیات و فرهنگ فارسی
شمارهٔ ۱۲ ، ۲۰۱٤ میلادی ،صص ۲۱۱ تا ۲۲۰

رباعیات عمر خیام کے دو منظوم تراجم کا تقابلی جائزہ

عاصم شجاع ثقلین
عضو هیأت علمی ، دانشکدهٔ اس-ای، بهاول پور، پاکستان

چکیده:

حکیم عمرخیام بنا بر ویژگیهای شعری خود در سراسر جهان شهرت منحصر بفرد دارد، بخصوص در سرودن رباعی هیچ شاعر دیگر به پایهٔ او نمی رسد، قرنهاست که شاعر ما به سبب رباعیات خود هنوز زنده و این رباعیات به اغلب زبانهای زندهٔ جهان بارها و بارها برگردانده شده است. در مقالهٔ حاضر دو ترجمهٔ منظوم رباعیات عمرخیام: "میخانهٔ خیام" از آغا شاعر قزلباش، و "مقام خیام" از عبدالرحمٰن طارق معرفی و مورد بررسی علمی پژوهشی قرار گرفته است.

واژه های کلیدی: شعر کلاسیك فارسی، رباعیات عمرخیام، تراجم منظوم، میخانهٔ خیام، مقام خیام، بررسی

معروف فارسی شاعر عمر خیام (۱۰۴۸ء تا ۱۱۳۱ء) کو اس کی رباعیات ہی کے سبب شہرت حاصل ہے۔ اخلاقیات، تصوف، قربِ الٰہی اور مے کشی و سرمستی خیام کے مرغوب موضوعات رہے۔ اپنی دلکشی اور رعنائی کی بدولت خیام کی رباعیات کو فارسی زبان و ادب ہی میں نہیں بلکہ اردو ادب کے علاوہ عالمی ادب میں بھی تلمیحی حیثیت حاصل ہے۔ اس مختصر مقالے کا موضوع رباعیاتِ عمر خیام کے دو منظوم تراجم ''میخانۂ خیام'' از شاعر قزلباش دہلوی[1] اور ''مقامِ خیام'' از عبدالرحمٰن طارق[2] کا تعارف اور ان کا مختصر جائزہ ہے۔ تراجم کے ساتھ ساتھ خیام کی اصل رباعیات بھی دونوں کتابوں میں شامل کی گئی ہیں اور اصل رباعی اور اس کا ترجمہ ایک ہی صفحے پر لکھے گئے ہیں۔

ان دونوں تراجم کی کچھ اہم خصوصیات انہیں منفرد کرتی ہیں۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی کے ''میخانۂ خیام'' کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے خیام کی تمام رباعیات کے تراجم رباعی کی مخصوص ہیئت (بحر ہزج مثمن اخرب واخرم) میں کیے ہیں۔ اس مجموعے میں خیام کی چھ سو چالیس (۶۴۰) رباعیات مع ترجمہ شامل ہیں اور ان رباعیات کو ردیف کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔

عبدالرحمٰن طارق کا مجموعہ ''مقامِ خیام'' بھی اپنی حیثیت اور ترتیب کے اعتبار سے خاص ہے۔ اس مجموعے میں عمر خیام کی رباعیات کو آٹھ مختلف موضوعات میں تقسیم کر کے ان کے منظوم تراجم کیے گئے ہیں۔ مترجم کا دعویٰ ہے کہ رباعیات خیام کی ایسی موضوعاتی تقسیم اس سے پہلے کبھی نہیں کی گئی۔ (طارق، ۱۶) ان تراجم کی ایک اور صفت یہ ہے کہ یہ تمام بحرِ رمل مثمن سالم (مقصور و محذوف) میں ہیں۔ اس بحر کا انتخاب ترجمے کے لیے قابلِ تعریف ہے کہ نسبتاً طویل ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی بھی بات بہ آسانی کہی جا سکتی ہے۔ اس مجموعے میں خیام کی دو سو چھیاسٹھ (۲۶۶) رباعیات اور ان کے تراجم شامل ہیں۔

محققین ادب نے ترجمہ کے کئی اصول و قوانین اور اچھے ترجمہ کی کئی صفات بیان کی ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اسے ایک صنف نہیں بلکہ فن کہا ہے۔ (ہاشمی، ۱۹۰) ڈاکٹر سلیم اختر نے اسے ''مستعار روشنی'' کا نام دیا ہے۔ (سلیم اختر، ۳۳۳) مسرت خان زاہدی نے اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر عطش درانی کے کئی مقالات، کتب اور انٹرویوز کا ذکر کیا ہے، جنہیں ترجمہ کے اصول و قواعد کے سلسلے میں سند مانا جا سکتا

ہے۔(مسرت،۶۷۔۷۴) ناقدین ادب نے لکھا ہے کہ علوم ترجمہ کا آغاز تقابلی ادب سے وابستہ ہے۔(توحید احمد،۲۶۰) کیونکہ ترجمہ کرنے والا ترجمے کے ساتھ ایک زبان کے ادب کے اسرار و رموز کو دوسری زبان کے قارئین تک اور اس طرح ایک تہذیب وثقافت کو دوسری تہذیب کے جاننے والوں تک پہنچاتا ہے۔تمام اساتذہ کی نظر میں اچھا ترجمہ روانی،فصاحت اور ابلاغِ معنی کے ساتھ ساتھ اصل تخلیق کے معنی ومفہوم سے قربت کی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔محققین نے شاعری کے منظوم تراجم کونثری تراجم سے کہیں بڑھ کر مشکل قرار دیا ہے کیونکہ ایک زبان کے شعر میں سموئے گئے خیال،تاثر،تشبیہات،استعارات، علامات اور محاورات کے مکمل مفہوم کا دوسری زبان کے شعر میں سما جانا تقریباً ناممکن ہے۔مگر اس اعتراض کے علی الرغم ہر دور میں شعری ونثری تخلیقات کے منظوم تراجم ہوتے رہے ہیں۔

اب ہم ''میخانۂ خیام'' اور ''مقامِ خیام'' کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ دونوں تراجم اچھے ترجمے کے معیار پر پورا اترتے ہوئے رباعیات خیام کے معانی ومفاہیم کا ابلاغ مکمل طور پر کرتے ہیں کہ نہیں۔اصل تخلیق کے معنی اور مفہوم سے قربت کسی ترجمے کی اہم ترین صفت ہے،اس حوالے سے خیام کی ایک رباعی اور اس کے دونوں تراجم ملاحظہ ہوں:

من گوہرِ خود بہ قیمتِ کم ندہم
دردِ تو بہ صد ہزار مرہم ندہم
خاکِ درِ تو بہ مملکتِ جم ندہم
یک موئے ترا بہر دو عالم ندہم

گوہر کو نہ دوں میں اپنے کم قیمت پر
دوں درد ترا نہ لاکھ مرہم لے کر
ہو مملکتِ جم، تو نہ دوں در کی خاک
اک بال نہ دوں تیرا دو عالم لے کر
(قزلباش دہلوی،۲۷۰)

میں نہ دوں اپنے گہر کو قیمتِ کم کے عوض
اور تیرے درد کو بیچوں، نہ مرہم کے عوض
خاکِ در تیری نہ دوں، میں دولتِ جم کے عوض
ایک مُو تیرا نہ بخشوں، ہر دو عالم کے عوض
(طارق،۲۵۵)

ان دونوں تراجم کو معنی اور مفہوم کے اعتبار سے خیام کی رباعی کے نہایت قریب مانا جاسکتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ شعری ضرورت کے تحت کچھ الفاظ کا ترجمہ ٹھیک نہیں کیا جا سکا۔ مثال کے طور پر شاعر قزلباش کے ترجمے کے تیسرے مصرعے میں ضمیر اضافی (تیرے) محذوف ہے۔ اسی طرح طارق کے ترجمے کے دوسرے مصرعے میں ''صد ہزار'' کا ترجمہ شامل نہیں ہے، مگر اس سے رباعی کے مجموعی معنی میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح ''مملکتِ جم'' کی ترکیب کو شاعر قزلباش نے بغیر کسی تبدیلی کے استعمال کیا ہے مگر طارق نے اس کا ترجمہ ''دولتِ جم'' کیا ہے جو روانی اور فصاحت میں یقیناً لائق تحسین ہے۔ اسی طرح ایک اور رباعی ملاحظہ ہو:

یا رب تو جمالِ آن مہِ مہر انگیز
آراستہ ای بہ سنبل و عنبر بیز
پس حکم ہمی کنی کہ در وے منگر
ایں حکم چنان بود کہ کج دار و مریز

یا رب اسے وہ حسن دیا مہر انگیز
ان زلفوں کو خوشبو سے کیا عنبر بیز
پھر حکم ہے مجھ کو نہ تکوں وہ صورت
یہ بھی وہی بات ہے کہ کج دار و مریز
(قزلباش دہلوی، ۲۱۷)

تو نے یا رب حسن اس خورشید کا پیدا کیا
اور زلفِ یار ہے عنبر سے گویا عطر زا
حکم اب دیتا ہے مجھ کو دیکھ مت روئے حبیب
یہ تو ایسا ہے کہ کج رکھ جام کو، مے مت گرا
(طارق، ۲۵۳)

سرسری نگاہ ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصل رباعی کا قافیہ برتنے کی وجہ سے شاعر قزلباش نے ترجمے میں بہت سے الفاظ اور تراکیب کو جوں کا توں استعمال کیا ہے۔ یہاں تک کہ آخری مصرعے کا نصف آخر ''کج دار و مریز'' بھی بغیر ترجمے کے برتا گیا ہے جب کہ طارق کا ترجمہ اس عیب سے پاک نظر آتا ہے۔ ایک اور رباعی میں یہی عیب طارق کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔

بکشائے درے کہ در گشایندہ توئی
بنمائے رہے کہ رہ نمایندہ توئی
من دست بہ ہیچ دستگیرے ندہم

کایشاں ہمہ فانی اند و پایندہ توئی

در کھول کوئی، کھولنے والا ہے تُو	کھول دے مجھ پر کوئی در، درکشایندہ ہے تُو
رستہ کوئی دے جگت اُجالا ہے تُو	رہ نما میرا ہو یارب! رہ نمایندہ ہے تُو
میں ہاتھ کسی ہاتھ میں کب دیتا ہوں	دست اپنا دستگیروں کو نہ سونپوں گا کبھی
سب خاک، بس ایک رہنے والا ہے تُو	عاجز و فانی ہیں وہ سب اور پایندہ ہے تُو
(قزلباش دہلوی،۱)	(طارق،۴۰)

اس رباعی میں طارق نے خیام کا قافیہ جوں کا توں برتا ہے۔ اتفاق سے دونوں تراجم کی ردیف ایک ہی ہے لیکن شاعر قزلباش کا ترجمہ زیادہ سہل اور فصیح ہے۔ اگر چہ اس ترجمے میں ''جگت اُجالا'' معنوی طور پر ''رہ نمائندہ'' سے تھوڑا دور ہو گیا ہے لیکن طارق کا ترجمہ فارسی کے اثر سے باہر نہیں نکل سکا۔

فارسی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت یہ نکتہ ہمہ وقت مترجم کے سامنے رہنا چاہیے کہ فارسی اور اردو کے گہرے تعلق کی بنا پر ہم عام طور پر فارسی الفاظ وتراکیب بلا جھجک اردو میں استعمال کرتے ہیں، اسی لیے ترجمہ کرتے وقت قدرے آسان فارسی الفاظ وتراکیب کو اردو ترجمے میں برتنا مترجمین بھی اپنا حق سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ فارسی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت اس حق کا استعمال بغیر کسی شدید لسانی مجبوری کے نہ کیا جائے۔ دونوں مجموعوں میں بعض رباعیات کے تراجم کے مطالعے سے یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ فارسی کی بلاغت کو اردو میں نہیں سمویا جا سکا اور دونوں مترجمین کسی خاص مصرعے کا صحیح ترجمہ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ رباعی:

دل چراغی است کہ نور از رخ دلبر گیرد
ور بمیرد، ز غمش زندگی از سر گیرد
صفت شمع بہ پروانہ ولے باید گفت
کیں حدیث است کہ با سوختگاں در گیرد

دل چراغ ایسا ہے روشن ہے رخِ دلبر سے
یہ اگر غم سے بجھے بھی تو نئے سر سے جلے
شمع کے وصف کو پراونے سے کہیے جا کر
یہ مثل سچ ہے کہ دکھیا ہی کی دکھیا جانے
(قزلباش دہلوی، ۱۶۳)

رخ سے دلبر ہی کے پاتا ہے چراغِ قلب نور
وہ جو بُجھ جائے غم کا اس میں ہوتا ہے وفور
کوئی پروانے سے کہہ دے جا کے یہ پیغامِ شمع
سوختہ ہی قصۂ الفت سے پاتے ہیں سرور
(طارق، ۲۴۸)

اس رباعی کے دوسرے اور چوتھے مصرعوں کے تراجم درست نہیں کیے جا سکے جس کی وجہ سے ان کے معنوی حسن میں اصل رباعی کی نسبت کمی واقع ہوگئی ہے۔ اس رباعی کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا: دل کا چراغ محبوب کے چہرے سے روشنی/ آگ حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ بُجھ جائے (یعنی اگر یہ محبوب کی دید سے جدائی کے سبب بے نور ہو جائے) تو اس (محبوب) کے غم سے (غم کی آگ سے) دوبارہ جل اٹھتا ہے۔ شمع کی صفت پروانے سے کہہ دینی چاہیے کہ یہ بات صرف جلنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

غور کیا جائے تو خیام کی اس رباعی کے معنوں میں مرکزیت دوسرے مصرعے کو حاصل ہے لیکن مترجمین اسی مصرعے کی اصل بات کو اپنے ترجموں میں نہیں کہہ پائے۔ جس کے سبب تراجم میں وہ معنوی لطافت باقی نہیں رہی جو اصل رباعی کا خاصا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور رباعی دیکھیے:

با نفس ہمیشہ در نبردم، چہ کنم
وز کردہ خویشتن بہ دردم، چہ کنم
گیرم کہ ز من در گزرانی بہ کرم
آں شرم کہ دیدی کہ چہ کردم، چہ کنم

ہر سانس ہے نفس کا جھڑاکا کروں کیا
ہے اپنے کیے کا سخت صدمہ کروں کیا
مانا کہ تو بخش دے گا، پر یہ ہے مرن
جو میں نے کیا وہ تو نے دیکھا کروں کیا
(قزلباش دہلوی، ۵)

میں ہمیشہ نفسِ امّارہ سے ہوں محوِ نبرد
اور ہے میرے گناہوں سے مرے سینہ میں درد
مانتا ہوں تو گناہوں سے کرے گا درگزر
کیا کروں اس کو جو چہرہ شرمِ عصیاں سے ہے زرد
(طارق، ۳۴)

ان دونوں تراجم میں بھی کئی کمزوریاں ہیں۔ شاعر قزلباش کا ترجمہ اگرچہ سہل ہے اور فارسی ترکیب ومحاورہ سے بھی دور ہے لیکن ''جھڑاکا'' اور ''مرن'' کے الفاظ اس کی شعری لطافت نیز شستہ اردو میں کمی کا باعث ہیں۔ دوسری طرف طارق کے ترجمے میں دوسرا اور چوتھا مصرع اصل رباعی سے معنوی بُعد کا باعث ہیں۔ ''بہ دردم'' کا ترجمہ ''میرے سینے میں درد ہے'' ابہام پیدا کر رہا ہے۔ اسی طرح ''چہرہ شرم عصیاں سے ہے زرد'' بھی معنوی طور پر ٹھیک نہیں ہے کیونکہ چہرہ زرد ہونا شرم کی نہیں بلکہ خوف کی کیفیت کا مظہر ہوتا ہے۔

ان تراجم میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اصل فارسی رباعی کے صحیح لفظی ترجمے کے بغیر بھی مترجمین نے وہی معنی دوسرے الفاظ سے پیدا کر دیے ہیں کہ اصل رباعی اور ترجمے میں کوئی خاص فرق باقی نہیں رہا۔

ہر چند کہ رنگ و بوئے زیباست مرا
چوں لالہ رخ و چوں سرو بالاست مرا
معلوم نشد کہ در طربخانۂ خاک
نقاشِ من از بہر چہ آراست مرا

قدرت نے مجھے حسن دیا تھا کیسا
رُخ پھول سا، قد سرو سا، پیارا پیارا
پر یہ نہ کھلا کہ خاک کرنے کے لیے
نقاش نے یہ نقش سنوارا کیوں تھا
(قزلباش دہلوی، ٦)

رنگ و بو میں گرچہ پیکر ہے مرا بے حد حسیں
قد ہے مثلِ سرو اور لالہ ہیں رخسار و جبیں
باوجود اس کے جہانِ فانی میں اللہ نے
کس لیے مجھ کو بنایا، عقل میں آیا نہیں
(طارق، ۲۷۳)

لفظی ترجمے کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان تراجم میں کئی جگہ پر کمی نظر آتی ہے۔ خیام کی رباعی میں موجود ''طربخانۂ خاک'' کا ترجمہ دونوں ذیلی رباعیات میں شامل نہیں ہے۔ شاعر قزلباش کے ترجمے میں ''پیارا پیارا'' اور ''خاک کرنے کے لیے'' اضافی معنی دے رہے ہیں۔ طارق نے رُخ کا ترجمہ یا نعم البدل استعمال کرنے کی بجائے اس لفظ کی وضاحت ''رخسار و جبیں'' سے کر دی ہے۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے باوجود بحیثیت مجموعی ان دونوں تراجم کو بہتر ماننا پڑتا ہے کہ ان کا مجموعی تاثر اور مفہوم

اصل رباعی کے بہت قریب ہے۔ اس کے ساتھ دونوں تراجم میں قافیہ اور ردیف کا اصل رباعی سے یکسر اختلاف اور فارسی تراکیب سے از حد دوری بھی انہیں اچھا ترجمہ ثابت کرتی ہے۔ اگرچہ ترجمہ کرتے وقت شاعر سراسر آورد سے کام لیتا ہے لیکن غور کیا جائے تو ترجمے کی حیثیت بھی ایک تخلیق جیسی ہوتی ہے جس میں بعض اوقات اور کہیں نہ کہیں آمد کا عنصر در آتا ہے اور اسے ایک معیار عطا کرتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض آورد اسے بوجھل پن کا شکار کر دیتی ہے۔ یوں جس طرح ایک تخلیق کار کی تمام تر تخلیقات معیاری نہیں ہوتیں بالکل اسی طرح ایک مترجم کے تمام ترجمے بھی جاندار نہیں ہو سکتے۔ ''میخانۂ خیام'' اور ''مقامِ خیام'' کے چند اور تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔

در دیدۂ تنگِ مور نور است از تو
در پائے ضعیف پشہ زور است از تو
ذات تو سزاست مر خداوندی را
ہر وصف کہ ناسزاست دور است از تو

چیونٹی کی ذرا سی آنکھ میں تیرا نور
مچھر کے ضعیف پاؤں میں تیرا زور
بے شک ہے خداوندی کے لائق تری ذات
جتنی کہ برائیاں ہیں سب تجھ سے دور
(قزلباش دہلوی،۱)

چشم موراں میں بھی ہے تیری تجلی ہی سے نور
پشہ کے کمزور پاؤں میں بھی ہے تجھ ہی سے زور
ہے سزاوارِ خداوندی تری ذات قدیم
ناسزا جو بھی صفت ہے تجھ سے وہ کوسوں ہے دور
(طارق،۲۳)

یارب تو کریمی و کریمی کرم است
عاصی ز چہ رو بروں ز باغ ارم است
با طاعتم ار بہ بخشی آں نیست کرم
با معصیتم اگر بہ بخشی کرم است

اللہ مرے تیری کریمی ہے کرم — خو تری مولا کرم ہے اور کرم بھی مثل یم
کیوں عبد گنہگار ہو مایوس ارم — عاصیوں سے دور ہوں پھر کس لیے باغ ارم
طاعت کے عوض گر مجھے بخشا تو کیا — پر کرم کیا ہے کہ بخشے میری طاعت پر مجھے
درگزرے گناہوں سے تو ہے عین کرم — باوجود معصیت بخشش ہو تب ہو گا کرم
(قزلباش دہلوی،۴۳) — (طارق،۲۵)

طوری است کہ صد ہزار موسیٰ دید است
دیری است کہ صد ہزار عیسیٰ دید است
قصری است کہ صد ہزار قیصر بگذشت
طاقی است کہ صد ہزار کسریٰ دید است

وہ طور ہے دہر، لاکھ موسیٰ دیکھے — طور ہے جس نے کہ دیکھے سینکڑوں موسیٰ یہاں
وہ دیر ہے سو ہزار عیسیٰ دیکھے — دیر ہے جس نے کہ دیکھے سینکڑوں عیسیٰ یہاں
اس قصر میں سو ہزار قیصر آئے — قصر ہے دنیا کہ جس میں رہ گئے قیصر بہت
اس طاق نے لاکھ لاکھ کسریٰ دیکھے — طاق ہے جس نے کہ دیکھے سینکڑوں کسریٰ یہاں
(قزلباش دہلوی،۳۰) — (طارق،۲۰۲)

''مقامِ خیام'' اور ''میخانۂ خیام'' میں مترجمین نے جہاں خیام کی رباعیوں کو اپنی زبان میں دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کر کے فارسی اور اردو کی خدمت کی ہے وہاں تفہیمِ خیام کے سلسلے میں بھی قابل ذکر کام کیا ہے۔

حواشی:

۱۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی (۱۸۷۱ء۔۱۹۴۰ء) شاعر، ادیب اور ڈراما نگار گزرے ہیں۔ انھوں نے ''افصح الکلام'' کے نام سے قرآن مجید کے دو پاروں (الـم اور سیقول) کا منظوم ترجمہ کیا جو الگ الگ جلدوں میں شائع ہوا۔ ''شباب شاعری'' کے نام سے ان کا شعری مجموعہ بھی سامنے آیا۔ اس کے علاوہ ''خمارستان'' کے عنوان سے ایک مجموعۂ مضامین اور ''حور جنت'' کے نام سے

ایک ڈراما بھی لکھا۔ ماخذ: مجتبیٰ حسین (مرتبہ)، آغا شاعر۔ حیات و شاعری، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۷۱ء

۲۔ عبدالرحمٰن طارق (۱۹۱۷ء-۱۹۸۲ء) کے خاندان کا تعلق شیخو پورہ سے تھا، مگر انہوں نے عمر کا بڑا حصہ لاہور میں گزارا۔ انہوں نے ''مقامِ خیّام'' کے علاوہ بھی گراں قدر ادبی خدمات سرانجام دیں اور خصوصاً اقبالیات پر بہت سی کتابیں لکھیں جن میں معارفِ اقبال (س۔ن)، جہانِ اقبال (۱۹۴۷ء)، اشاراتِ اقبال (۱۹۵۱ء) اور جوہرِ اقبال (۱۹۵۳ء) شامل ہیں۔ کلامِ اقبال کے اردو (منظوم) اور انگریزی تراجم کیے، جن میں حدیقۂ ارم (منظوم ترجمہ زبورِ عجم)، روحِ مشرق (منظوم ترجمہ پیامِ مشرق)، رموزِ فطرت (ارمغانِ حجاز کے فارسی حصے کا منظوم ترجمہ)، Secrets of Ego (انگریزی ترجمہ اسرارِ خودی) اور Collective Life (انگریزی ترجمہ رموزِ بےخودی) شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ''فردوس معانی'' کے عنوان کے تحت اردو شعرا کے اخلاقی اور متصوفانہ اشعار کا انتخاب بھی شائع کرایا اور ''لسان العصر'' کے نام سے اکبر الہ آبادی کی شاعری کی فکری جہات پر بھی کتاب لکھی۔ ماخذ: اقبال بانو، عبدالرحمٰن طارق بطور اقبال شناس، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۹۰ء مقالہ نمبر T244

کتابیات:

- طارق، عبدالرحمٰن (س۔ن) مقام خیام، مکتبہ، ادب نواز لاہور
- ہاشمی، رفیع الدین (۱۹۹۸ء) اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
- سلیم اختر (۲۰۰۳ء) اردو زبان کیا ہے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
- مسرت خان زاہدی (۲۰۰۸ء) ڈاکٹر عطش درانی بطور ماہر ترجمہ، شمولہ، الزبیر، بہاول پور
- توحید احمد (۲۰۱۰ء) ن۔م۔ راشد بطور مترجم مشمولہ بنیاد، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز، لاہور
- قزلباش دہلوی، آغا شاعر، میخانۂ خیام، فیروز سنز لاہور، س۔ن